بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

آہ! "ترکشِ ما را خدنگِ آخریں"

واحسرتا! ابھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کا غم تازہ ہی تھا اور امتدادِ روزگار کا مرہم اس غم کی جراحت سامانیوں کو کم نہیں کر سکا تھا کہ اچانک مولانا ابوالکلام آزاد کی وفات حسرت آیات کا سانحۂ جاں گداز پیش آ گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

عام پیرایۂ بیان میں لوگ کہتے ہیں کہ مولانا علومِ قدیمہ و جدیدہ کے متبحر عالم تھے سحر طراز انشاپرداز بلند پایہ ادیب۔ جادو فشاں خطیب تھے۔ فہم و تدبر۔ ذہانت و فطانت اُن کے اوصاف و کمالاتِ طبعی کا نکمۂ زریں تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب عنوانات مولانا کی اصل شخصیت کی ترجمانی اور عکاسی سے قاصر ہیں وہ بذاتِ خود ایک تاریخ تھے اور تاریخ ساز بھی، وہ مستقل ایک عہد تھے اور عہد آفریں بھی۔ انھوں نے اپنے دماغ اور زبان و قلم سے ایک عہد پیدا کیا جس کی ہمہ گیری اور وسعت کا یہ عالم تھا کہ اُس سے مذہب بھی متاثر ہوا اور ادب بھی۔ سیاست بھی اُس سے اثر پذیر ہوئی اور تہذیب و ثقافت بھی۔ اُن کا قلم ابرِ بہاراں بھی تھا اور برقِ شرر فشاں بھی۔ علم و حکمت اور شعر و ادب کے میدان کی طرف نکل گیا تو فروغِ نظر اور ایمان و یقین کے لالہ و گل کو پیغامِ نشو و نما دیتا گیا اور ریتیلے میدانوں کو گل و گل زار بناتا گیا۔ اور اگر اُس نے مذہب اور سیاست کی طرف رُخ کیا تو فکر و نظر اور احساس و شعور کی دنیا میں طوفان برپا کر گیا جو گوشہ نشین تھے وہ اس آواز کو سن کر گھروں سے نکل پڑے جن پر غلامی کی غفلت و مدہوشی کا تسلط تھا وہ جوش و ولولۂ عمل سے سرشار ہو کر زندگی کا ایک نیا خون اپنی رگوں میں دوڑتا ہوا محسوس کرنے لگے۔ وہ ہر بزم اور ہر محفل میں پہنچا اور ہر جگہ صدر انجمن اور میرِ محفل ہو کر رہا، مذہب۔ سیاست اور

ادب، تہذیب اور معاشرت ان میں کوئی منزل ایسی نہیں ہے جس کی طرف اُس نے رخ نہ کیا ہو اور اُس میں اپنے اجتہاد و تحقیق، سنجیدہ فکر اور نظر بلند کے لازوال نقوش نہ چھوڑ گیا ہو۔

ایک شخص آج کل کے رسمی طریقۂ تعلیم سے ناآشنا ہونے کے باوجود محض اپنی خداداد غیر معمولی ذہانت و فطانت اور ذاتی مطالعہ و تحقیق سے کس قدر اونچا ہو سکتا ہے مولانا اُس کی برہانِ مبین اور دلیلِ روشن تھے اور اس طرح کی عبقریت (GENIUSNESS) کی مثالیں دنیا میں کم ہی ملیں گی۔ چنانچہ جس طفلِ نوخیز نے سولہ برس کی عمر میں اُردو کی اخبار نویسی سے اپنی زندگی شروع کی تھی وہ نوجوانی میں ہی اس قدر بلند اور سرافراز ہو گیا کہ جس محفل میں سن رسیدہ ملک کے اکابر و زعما یکجا بیٹھتے تھے وہاں بھی وہ کرسیِ صدارت پر متمکن نظر آتا تھا اکابر علما نے اُس کو "امام الہند" کہا۔ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگرس نے تحریک آزادی کے سب سے زیادہ نازک دور میں اُسی کی قیادت میں جدوجہد کی آخری منزلیں طے کیں اور پھر آزاد ملک میں سب سے پہلا مرکزی وزیرِ تعلیم بھی وہی بنا۔ یہ ایک محکمہ تو محض رسمی طور پر تھا ورنہ اُس کا ناخنِ تدبر و فہم ملک کی پوری سیاسی گتھیوں کے ہی سلجھانے میں مصروف رہا" چنانچہ آج یہ شخصیت ہم میں موجود نہیں ہے تو ہر طبقہ اور ہر گروہ میں اُس کا ماتم بپا ہے علما رو رہے ہیں کہ اُن کا سرتاج اُٹھ گیا، علوم و فنون کے ماہر اشک فشاں ہیں کہ ایک عظیم الشان اسکالر جاتا رہا۔ وزیر اعظم نہرو ماتم کناں ہیں کہ اب مشورہ اور رائے کس سے لیں گے۔ وزیر داخلہ پنڈت پنت کو ملال ہے کہ مولانا کی وفات ملک کے لئے مہاتما گاندھی کے بعد سب سے بڑا حادثہ ہے۔ غور کرنا چاہیئے کہ کسی ایک شخصیت کے جامع اور ہمہ گیر ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ ہر شخص بلا تفریق مذہب و ملت اپنے خاص نقطۂ نظر اور مذاقِ طبع کے ماتحت اُس کو مجموعۂ کمالات و اوصاف سمجھے اور اُس کی وفات پر اشک فشاں و گریہ کناں ہو۔

اگرچہ ملک کی آزادی کے بعد سے مولانا گوشہ نشین ہو گئے تھے اور عوام سے رابطہ باقی نہیں رکھا تھا لیکن اُس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور نہیں تھی کہ مولانا اس بات کا یقین رکھتے تھے

کہ ملک کے خاص حالات میں اُن کا پبلک میں آنا اور تقریریں کرنا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا بلکہ اُس سے تھوڑے بہت نقصان کا ہی خطرہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے ملک کی خدمت کا صحیح اور درست طریقہ یہی ہے کہ خاموشی کے ساتھ ملک کی تعمیری خدمات انجام دی جائیں اور اسی سلسلہ میں پنڈت نہرو کو زیادہ سے زیادہ قوت بہم پہنچائی جائے اور اپنے صحیح مشوروں سے اُن کی مدد کی جائے۔ چنانچہ اس سیاست پر وہ آخر وقت تک عمل پیرا رہے۔ جو کچھ ان کو کہنا ہوتا تھا وہ پنڈت نہرو سے کہلاتے تھے اور جو کچھ انھیں کرنا ہوتا تھا پنڈت جی سے کراتے تھے۔ مولانا کے کیرکٹر کی یہ بھی بڑی اہم خصوصیت تھی کہ اُن کو اپنی زبان اور دل و دماغ پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ خود اُن کے بقول انھوں نے سالہا سال کی مشق کے بعد اپنے اندر یہ کمال پیدا کر لیا تھا کہ کسی کی مدح و ذم کا اُن پر مطلق کوئی اثر نہ ہوتا تھا اور ہمیشہ اپنی صوابدید کے مطابق کام کرتے تھے۔ جب بولنے کی ضرورت ہوتی تھی تو بھرپور تقریر کرتے تھے اور جب بولنے کو مضر جانتے تھے تو بالکل چپ سادھ لیتے تھے۔ مولانا کے سیاسی مخالفین نے برا بھلا کہنے میں کون سی کسر اُٹھا رکھی تھی۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ مولانا کی پیشانی پر غیظ و غضب کی ایک شکن بھی نہیں پڑی اور کبھی خلوت میں بھی کسی بڑے سے بڑے مخالف کا ذکر بدی کے ساتھ نہیں کیا اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنی موجودگی میں کسی کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی، شرافتِ نفس کا یہ عالم تھا کہ زبان کبھی فحش اور گندہ لفظ سے آشنا نہیں ہوئی غیور و خوددار اس پایہ کے تھے کہ والد مرحوم کی استخواں فروشی ہرگز گوارا نہیں کی حالانکہ اس ذریعہ سے بلا کسی محنت و مشقت کے لاکھوں کما سکتے اور ایک وسیع و متمول طبقہ کے مرشدِ روحانی بن سکتے تھے۔ مولانا پر سخت قسم کی عسرت و تنگدستی کے دور بھی آئے لیکن کیا مجال کہ زبان کسی کے سامنے اظہارِ احتیاج کے ننگ سے آلودہ ہوئی ہو، یہ وہ اخلاقی اوصاف ہیں جو اس زمانہ میں علما اور مشائخ اور عباد و صلحا تک میں عموماً ناپید ہیں پھر اور لوگوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے مولانا اکابر و زعمائے امت کی پرانی نسل کی آخری یادگار تھے اس لئے مولانا کی وفات ایک شخص اور ایک بڑے آدمی کی موت نہیں۔ بلکہ پورے ایک عہد۔ ایک دور۔ ایک قرن کی موت ہے مسلمانانِ ہند کی تاریخ عہد حاضر کا ایک باب ختم ہو گیا۔ بس سدا رہے نام اللہ کا ،، کل شیٔ ہالک الا وجہہ ،، اس دنیا کی ریت یہی ہے۔ جو آیا ہے اس کو جانا ضرور ہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ